علامہ تمنّا عمادی

نبی اُمّی کے معنی

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة۔ (جمعہ : ۲)

وہی (اللہ تعالیٰ ہی) ہے جس نے امیوں میں انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو پاک نفس بنائیں اور (اللہ تعالیٰ کی) کتاب اور حکمت کی تعلیم کرتے رہیں۔

واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمٰعیل ط ربنا تقبل منا ط انك انت السمیع العلیم ۝

(وہ بھی کیا وقت تھا) جب ابراہیمؑ اس گھر (کعبہ مکرمہ) کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل (بھی ان کے ساتھ) دونوں دعائیں کرتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہم دونوں سے (اس خدمت کو) قبول فرمالے۔ تو (دعاؤں کا) سننے والا (دل کی نیتوں کا) جاننے والا ہے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك ط وارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم ۝

اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہم دونوں کی نسل سے ایک بڑی امت اپنی فرماں بردار تیار کردے اور ہمیں بتادے عبادت کے (وہ) طریقے (جو) ہمارے (لیے مناسب ہوں) اور ہم لوگوں کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا درگزر کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم آیٰتك ویعلمهم الکتٰب والحکمة ویزکیهم ط انك انت العزیز الحکیم ۝

اے ہم دونوں کے رب! اور ان (ہم دونوں کی نسل والی امت کے) لوگوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور ان کو (تیری) کتاب کی اور حکمت کی تعلیم کرے اور ان کو پاک نفس بنائے۔ تو ہی

عزت و حکمت کا مالک ہے۔

سورہ بقرہ کی تین آیتیں سلسل ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹ میں نے ترجمے کے ساتھ پیش کردی ہیں اور یہ مقالہ شروع کیا ہے سورہ جمعہ کی دوسری آیت سے۔ سورہ بقرہ کی ان تینوں آیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے آخری یعنی ۲: ۱۲۹ کو سورہ جمعہ کی آیت سے ملا کر دیکھئے۔

بنی اسرائیل اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے آخری نبی کے منتظر ضرور تھے۔ ان کے عوام برابر غیر بنی اسرائیل مشرکین کو اور ان کے موحدین مشرکین بنی اسرائیل کو آخری نبی کی آمد کی پیشین گوئیاں سنا سنا کر ڈرایا کرتے تھے کہ وقت آگیا ہے آخری نبی کے آنے کا۔ انھیں آنے دو۔ تم کو تمھارے مشرکانہ اعمال اور بداعمالیوں کی سزا مل جائے گی۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ وہ آخری نبی بھی بنی اسرائیل ہی میں سے مبعوث ہوں گے۔ مگر آئے بنی اسمٰعیل میں یہ بات عامہ بنی اسرائیل کو سخت ناگوار ہوئی تو انکار و کفر پر آمادہ ہو گئے:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ج فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہٖ (۲: ۸۹)

وہ (بنی اسرائیل بعثت نبوی سے) پہلے آخری نبی کے مبعوث کیے جانے کی اور ان کے ذریعے) کافروں پر فتح حاصل ہونے کی دعائیں کرتے رہتے تھے۔ مگر جس کو وہ (اچھی طرح) پہچانتے تھے جب وقت آگیا تو اب اس کو ماننے سے انکار کرنے لگے۔

اور ان کا یہ انکار کسی برہان و دلیل کی بنا پر یا شک اور شبہے کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ ارشاد ہے کہ:

بغیاً ان ینزل اللہ من فضلہٖ علی من یشاء من عبادہٖ۔ (۲: ۹۰)

(یعنی بنی اسرائیل نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ محض) ضد کی بنا پر کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کی توقع کے مطابق آخری نبی کو کیوں مبعوث نہ کیا؟ ان کے نزدیک یہ ٹھیک نہیں ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے (خود) جس پر چاہے اپنا فضل (اپنی کتاب) نازل فرمائے۔

غرض بنی اسرائیل کا انکار و کفر محض حسداً من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق (۲: ۱۰۹) تھا

یعنی صرف نفسانی جذبہ حسد کے سبب سے تھا باوجود اس کے کہ حق بات ان پر واضح ہو چکی تھی مگر وہ اس حسد سے کہ یہ آخری نبی بنی اسمٰعیل میں کیوں آئے؟

بنی اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باوجود محض اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تعمیرِ کعبہ مکرمہ کے وقت جو دعا حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما السلام کرتے جاتے تھے۔ اس کا ذکر فرما کر یہ فرما دیا کہ آخری نبی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی مشترکہ دعاؤں کی وجہ سے بنی اسمٰعیل میں مبعوث ہوئے۔

تو اب حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما السلام کی مشترکہ دعا والی آیت ۱۲۹ کو اور سورۂ جمعہ کی دوسری آیت ملا کر دیکھیے۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا تھی اپنی اولاد یعنی بنی اسمٰعیل ہی کے لیے کہ انھیں میں سے ایک نبی ان میں مبعوث فرمایا جائے۔ وہ دعا قبول فرمائی گئی جس کا ذکر بعث فی الامیین رسولاً منھم کے مبارک لفظوں میں فرمایا گیا۔ اور بنی اسمٰعیل ہی کو الامیین فرمایا گیا۔ کیوں بنی اسمٰعیلؑ کو الامیین فرمایا گیا؟ اس کی وجہ بھی آپ کلام اللہ ہی سے پوچھیے۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ السلام نے یہ بھی دعا فرمائی تھی:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ ط (۱۴ : ۳۷)

اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد (میں) سے بعض کو ایک ناقابلِ کاشت وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے رب (اس سے میری کوئی اور غرض نہیں بجز اس کے) تاکہ یہ لوگ نماز (کے نظام) کو قائم رکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وادی غیر ذی زرع مکہ معظمہ ہی کو فرمایا تھا جس کے قلب میں بیت اللہ کعبہ مکرمہ ہے۔ اور مکہ مکرمہ کا مشہور و معروف لقب ام القریٰ ہے۔ قرآن مجید میں تو مکہ کا لفظ بھی کہیں مذکور نہیں۔ البتہ بکہ کا لفظ ہے۔ بعض غیر معتبر تفسیری روایتوں میں آ گیا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک نام بکہ بھی ہے۔ تو مفسرین کے لیے ایک روایت میں کسی بات کا ہونا کافی تھا اور اہلِ لغت تو مفسرین کے بعد پیدا ہوئے۔ جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے اہل لغت نے بھی لکھ دیا۔ بکہ دراصل مکہ معظمہ کے ایک صحرا کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مکہ معظمہ میں تشریف آوری کے قبل سے مشہور تھا جس صحرا میں ان کو بیت اللہ کا پتا بتا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کا حکم ہوا تھا۔ پہلے اس صحرا میں باہر کے آئے ہوئے تجارتی قافلے برابر ٹھہرا

کرتے تھے۔ بکّہ کے لغوی معنی خود اہل لغت لکھتے ہیں "جائے ازدحام" بنائے مکہ مکرمہ سے پہلے اس صحرا میں ہر وقت دو تین تجارتی قافلے آکر ٹھہرتے۔ اس وقت وہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور مکّہ کے معنی مغز کے ہیں۔ گویا یہ بلد اس پوری زمین کا مغز ہے۔ غرض مکّہ پورے شہر کا نام ہے اور بکّہ اس صحرا کا نام تھا جس میں کعبہ کی تعمیر ہوئی۔ حرم شریف کا پورا احاطہ بکّہ ہے۔

غرض قرآن مجید میں مکّہ مکرمہ کو ام القریٰ ہی کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اُمّی کا لفظ اس مرکب اضافی کے مضاف میں یائے نسبت لگا کر بنایا گیا ہے۔ منسوب الیہ مرکب ہو تو طوالت سے بچنے کے لیے اس کے ایک جز میں یائے نسبت لگانا معمول بہ ہے جیسے عبید اللہ المہدی بانی حکومتِ فاطمیہ کی اولاد اور اس کے متبعین کو عبیدیوں کہتے تھے، تاریخ کی کتابوں میں عبیدیین کا حال آپ کو ملتا ہے۔ یہاں بھی مضاف میں ہی یائے نسبت لگی ہے۔ اسی طرح عبدالدار سے عبدری ہے۔
مختصر یہ کہ چونکہ ام القریٰ سارے بنی اسمٰعیل کا آبائی وطن تھا اس لیے سارے بنی اسمٰعیل فخر کے ساتھ اپنے کو اُمّی کہتے تھے چاہے بعد کو ان کے چند پشت اوپر کے اسلاف مکہ مکرمہ سے منتقل ہو کر بہت دور کسی اور جگہ کیوں نہ سکونت پذیر ہو گئے ہوں۔ مگر وہ اپنی نسبت مکہ مکرمہ سے باقی رکھنے کے لیے اور اپنے بنی اسمٰعیل ہونے کے ثبوت کے لیے اُمی ہی اپنے کو کہتے تھے اور کہتے رہے۔

ام القریٰ کا لفظ ایک تو سورہ انعام کی آیت کریمہ ۹۳ میں آیا ہے:

وھذا کتٰب انزلنٰہ مبٰرک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القرٰی و من حولھا ط

"اور یہ بڑی عظمت والی کتاب ہے۔ ہم نے اس کو نازل کیا ہے۔ برکتوں سے بھری ہے۔ اس سے آگے جو کتابیں اتریں) تھیں ان کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور (یہ اس لیے اتاری گئی ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعے) ام القریٰ اور اس کے گرد و پیش کی (بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک اور بد اعمالیوں کے برے نتائج سے برابر) ڈراتے رہو۔"

دوسرا سورہ شوریٰ ہے جس کی ساتویں آیت کریمہ یہ ہے:

وكذالك اوحينا اليك قرانًا عربيًا لتنذر ام القرىٰ ومن حولها (الآیہ)

اسی لیے (اے رسول!) ہم نے تمھاری طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ ام القریٰ اور اس کے گردوپیش (کی بستیوں کے رہنے والوں) کو (شرک و بداعمالی کے برے نتائج سے) ڈراتے رہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کئی سال تک مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف وجوانب کی بستیوں کی طرف تھی۔ اس کے بعد وحی آئی:

قل یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعًا۔ (اعراف: ۱۵۸)

(اب اے رسول!) عام اعلان کر دو کہ اے عالمِ انسانیت والو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

مذکورہ بالا آیات کریمات سے یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں مکہ معظمہ کو ام القریٰ فرمایا گیا ہے اور بنی اسمٰعیل ؑ کا چونکہ آبائی وطن حضرت اسمٰعیل ؑ کے وقت سے ام القریٰ رہا اور وہ مکہ معظمہ اور حوالی مکہ معظمہ میں بہت بڑی تعداد میں آباد بھی تھے اس لیے بنی اسمٰعیل کو امیین فرمایا گیا ہے۔

غیر اہلِ کتاب ہونا

بنی اسمٰعیل کے پاس بھی حضرت اسمٰعیل ؑ اور ان کے خلفا رضی اللہ عنہم کے زمانے میں صرف حضرت ابراہیم ؑ کے صحیفے اور حضرت اسمٰعیل ؑ کو جو کتاب دی گئی تھی ایک مدت تک وہ سارے ہدایت نامے موجود تھے۔ صحف ابراہیم کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے (سورہ اعلیٰ کی آخری آیت میں)، اور سورہ بقرہ آیت ۱۳۶ میں ہے:

ما انزل علی ابرٰهیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وحی کتاب یا صحیفے کی صورت میں یا جس شکل میں بھی ہو ان میں سے ہر ایک پہ نازل ہوئی تھی۔ اس لیے بنی اسمٰعیل کو کتاب اللہ سے محروم ہرگز نہیں رکھا گیا تھا۔

مگر بنی اسرائیل میں برابر بعثت انبیا کا سلسلہ جاری رہا، متعدد کتابیں بھی یکے بعد دیگرے اترتی رہیں۔ ضائع شدہ کتاب کسی نبی نے آکر درست کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیا تھے ان کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی نبی تو نہیں آیا مگر تورات و زبور یہود و نصاریٰ کے

کی متفق علیہ کتابیں تھیں اور رہیں۔ تحریفیں تو اپنے اپنے نقطۂ نظر کے اعتبار سے دونوں نے کیں مگر محرف ہی سہی، دونوں کتابیں دونوں کے پاس موجود تو رہیں۔ انجیل سے تعلق صرف نصاریٰ کا تھا اور ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ و حضرت داؤد علیہما السلام کی کتابیں تو رکھتے اور اپنے نبی کی کتاب نہ رکھتے۔ تحریفیں تو حسب عادت اس میں بھی بہت کیں مگر محرّف ہی سہی انجیل کو بھی سینے سے لگائے رہے۔ مگر بنی اسمٰعیل میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہ آیا۔ اس لیے ان کے پاس نہ صحف ابراہیم رہے نہ حضرت اسمٰعیلؑ پہ اتری ہوئی کتاب رہی۔ بنی اسمٰعیلؑ صدیوں تک کتاب اللہ سے بالکل محروم ہو گئے، اور بت پرستی میں انہماک کی وجہ سے ملت ابراہیمی کی کوئی بات ان میں باقی نہ رہی۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا احترام تو دلوں میں تھا مگر دینی مسلک کے اعتبار سے بنی اسمٰعیلؑ کو دُور کا بھی کوئی لگاؤ ان بزرگوں سے باقی نہ رہا تھا۔

مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہؓ کو نیا سابقہ پیش آیا۔ اُمیین کی طرف تو آپ کی پہلی بعثت ہوئی تھی۔ تیرہ برس مسلسل انھیں میں تبلیغ کرتے رہے۔ انھیں میں سے مومنین کی ایک معقول جماعت تیار ہو گئی جن میں سے بہت بڑی جماعت ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئی تھی۔ مگر خود مدینے میں بھی پہلے سے بنی اسمٰعیل امیین کی بہت بڑی جماعت آباد تھی۔ مدینہ طیبہ کے دو مشہور قبیلے اوس و خزرج امیین ہی میں سے تھے بنی اسمٰعیل ہی تھے۔ اعراب جو مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کی بستیوں میں رہتے تھے وہ سب امیین ہی تھے۔ مدینہ طیبہ کے انصاری صحابہ سب امیین ہی تھے۔ مگر امیین سے کوئی نیا سابقہ نہ تھا۔ نیا سابقہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں سے پیش آیا۔ اس لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلا سورہ اترا یعنی سورہ بقرہ تو اس میں پہلے تین جماعتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ مکہ معظمہ میں صرف دو جماعتیں تھیں، مومنین تھے یا کفار۔ مگر مدینہ طیبہ میں ایک بڑی بھاری تعداد مہاجرین کی آ گئی۔ پھر انصار و مہاجرین کی یکجائی سے مومنین کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اس لیے مدینہ طیبہ کے بدنصیب کفار مومنین کی مدینہ طیبہ میں امان اور گہما گہمی دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور اپنی بدطینتی کے باعث اسلام قبول کرنے پر بھی دل سے آمادہ نہ ہوئے تو انھوں نے منافقت اختیار کر لی، اور بظاہر مسلم بنے مگر دل میں اپنا کفر چھپائے رکھا۔ مسلمانوں سے مسلمان بن کر ملتے تھے اور

کفار سے کافر بن کر۔ اس لیے مدینے میں تین جماعتوں سے قرآن مجید کو سابقہ پیش آیا۔ مومنین و کافرین کے علاوہ منافقین کی نئی جماعت سے بھی۔ اس لیے سورہ بقرہ کی ابتدائی تمہیدی آیات کریمات میں پہلے مومنین کا ذکر فرمانے کے بعد کفار کا ذکر فرمایا گیا۔ اس کے بعد منافقین کا، اور یہ سب امیین ہی میں سے تھے۔ اس کے بعد یاایھا الناس کے پُرعظمت انداز مخاطبت سے پورے عالم انسانیت کو مخاطب فرما کر توحید کی تبلیغ فرمائی گئی اور شرک جیسے ظلم عظیم سے باز رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ اس کے بعد حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے گئے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی کتابوں میں یہ سارے واقعات مذکور ہیں۔ وہ زبان سے تصدیق نہ کریں مگر ان کے قلوب تو ضرور ان باتوں کی تصدیق کریں گے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو خاص طور سے پکار پکار کر مخاطب کیا گیا اور ان کو سمجھایا گیا، ان کی گزشتہ نافرمانیاں اور سرگوشیاں جو انھوں نے اپنے رسولؑ کے ساتھ کی تھیں ان کو یاد دلائی گئیں۔ مگر مدینہ طیبہ میں ہجرت نبویؐ سے پہلے یہود اپنا اقتدار قائم کیے ہوئے تھے۔ اُمیین یعنی بنی اسمٰعیلؑ مدینہ و اطراف مدینہ میں بہت تھے مگر قبائل میں بٹے ہوئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ امیین کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے اور یہود ان کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے۔ اکثر یہود کا خیال یہ تھا کہ امیین بنی اسمٰعیل کو باہم لڑاتے رہنا ان کو باہمی مسلسل خونریزی کے ذریعے کمزور بنائے رکھنا، بلکہ ان کے ساتھ خیانت کرنا، ان پر ظلم کرنا ہمارے لیے جائز ہے اس کے متعلق خدا ہم سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کرے گا۔ ان کا قول قرآن مجید میں نقل فرمایا گیا ہے:

ومن اهل الكتب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك ومنهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما ط ذلك بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل ج ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون ٥ (۷۵:۳)

اہل کتاب میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس مال کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھ دو تو وہ (تمھارے مطالبے کے وقت) اس کو تمھیں دے دیں گے۔ اور بعضے ان میں سے ایسے ہیں جن کے پاس تم ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تمھیں واپس دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان پر (قوت کے ساتھ) مسلط ہو جاؤ۔ یہ بدمعاملگی ان میں) اس لیے ہے کہ ان کا قول یہ ہے کہ امیوں (بنی اسمٰعیل) کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ عائد نہ ہوگا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو امیوں کے ساتھ بددیانتی اور ظلم کرنے کی اجازت دے دی ہے) بلکہ وہ جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ

پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں۔

بد سے بدتر اور ظالم سے ظالم قوم میں بھی کچھ نیک فطرت افراد ضرور ہوتے ہیں مگر عموماً اچھے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وقلیل من عبادی الشکور۔ (سبا: ۱۳) اور میرے بندوں میں شکرگزار تھوڑے ہی سے ہیں۔

اس لیے دو طرح کے اہل کتاب کی جو اخلاقی حالت بیان فرمائی گئی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اہل کتاب سے یہاں صرف یہود ہی مراد ہوں۔ مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں اھل الکتب لفظ عام رکھا گیا ہے جن میں یہود و نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ حسن معاملہ والوں کا جو پہلے ذکر ہے ان سے نصاریٰ مراد ہوں، اور بدمعاملہ جن کا ذکر بعد کو ہے ان سے یہود مراد ہوں۔ سورہ مائدہ کی آیت کریمہ ۸۲ جو چھٹے پارے کی آخری آیت ہے پڑھیے:

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا ۚ ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ؕ ذالک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون ۝ (مائدہ: ۸۲)

مومنین کا سب سے سخت ترین دشمن تم یہودیوں کو پاؤ گے اور مشرکین (اور بت پرستوں) کو اور مومنین سے محبت میں قریب تر (یہود و مشرکین کے مقابل) تم ان لوگوں کو پاؤ گے۔ جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لیے کہ ان میں (ان کے) علمائے دین ہیں اور درویش لوگ ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے کو (سب سے) بڑا نہیں سمجھتے۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حسنِ معاملہ والے امانت دار اہلِ کتاب نصاریٰ ہی نظر آتے ہیں اور بدمعاملہ خائن اہلِ کتاب یہود۔ (واللہ اعلم)

مدینہ طیبہ میں اس وقت یا بنی اسمٰعیل تھے یا بنی اسرائیل بلکہ درحقیقت پورے حجاز ہی میں بنی اسمٰعیل یا بنی اسرائیل ہی آباد تھے اس لیے یہ کہنا کہ بنی اسرائیل غیر بنی اسرائیل کو امیین کہتے تھے اور یہ کہنا کہ بنی اسرائیل بنی اسمٰعیل کو اُمی کہتے تھے دونوں یکساں ہے۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یعنی عرب کے اہل کتاب بنی اسمٰعیل کو امیین کہتے تھے۔ اور بنی اسمٰعیل خود بھی اپنے کو فخر کے ساتھ امیین سمجھتے اور کہتے تھے۔

اور دیکھیے۔ سورہ آل عمران ہی کی بیسویں آیت میں پڑھیے:

وقل للذین اوتوا الکتٰب والامیین ءَاَسلمتم ؕ فان اسلموا فقد اھتدوا الاٰیہ۔ (آل عمران : ۲۰)

اور (اے رسول!) تم اہلِ کتاب سے اور امیین سے پوچھو کہ کیا تم نے اسلام قبول کرلیا؟ تو اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ہدایت پا گئے الخ۔

چونکہ اس زمانے میں یہی بنی اسرائیل۔ یعنی اہل کتاب اور امیین بنی اسمٰعیل، یہی دو قومیں مدینہ طیبہ اور اس کے گرد و پیش کی بستیوں میں تھیں اس لیے بنی اسرائیل کو الذین اوتوا الکتٰب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ اور بنی اسمٰعیلؑ کو الامیین کے لفظ سے۔ پورے حجاز میں دو قومیں آباد تھیں۔ اس وقت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معبوث الیھم تبلیغی مخاطب یہی دو برابر کی قومیں تھیں۔ اہلِ کتاب یعنی بنی اسرائیل اور امیین یعنی بنی اسمٰعیل، اسی لیے ان دونوں کو اس آیت کریمہ میں مخاطب کرنے کا آنحضرتؐ کو حکم ہوا۔ کوئی اور تیسری قوم ان دونوں کے سوا حجاز میں آباد نہ تھی۔ کچھ افراد اگر باہر سے آکر تجارت وغیرہ کے ذریعے یا تو اسی قسم کے لوگ انفرادی حیثیت سے حجاز کی کسی بستی میں بلکہ مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ میں بھی علیحدہ یا کسی قبیلے کے بعض افراد کے ساتھ سکونت پذیر ہوں تو ضمناً وہ بھی اس مخاطبت کے مخاطب سمجھے جائیں گے۔ مگر ضمناً ہی مخاطب ہو سکتے ہیں، ان لوگوں کی اپنی کوئی جداگانہ مستقل قومی حیثیت نہیں سمجھی جا سکتی کہ وہاں وہ بھی اہلِ کتاب اور امیین کی طرح کسی اور قومی نام سے مخاطب ہوتے۔

لایعلمون الکتٰب

سورہ بقرہ کے نویں رکوع میں اہل کتاب یعنی مدینہ طیبہ کے یہودیوں کی سنگدلی، بے ایمانی اور ہٹ دھرمی کا ذکر کرتے ہوئے مومنین سے فرمایا گیا ہے کہ:

افتطمعون ان یومنوا لکم۔ الاٰیہ (۲ : ۷۵)

کیا تم ان سے امید رکھتے ہو کہ یہ تمھاری بات مان لیں گے؟ یہ تو ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اپنی کتاب میں بھی وہ باتیں جو ان سے کہی گئی ہیں۔ ان میں سے جو باتیں ان کی مرضی کے خلاف پڑتی ہیں یہ ناخداترس ان میں بھی ردو بدل کر دیا کرتے ہیں۔ جس کتاب پر ایمان ہے اس میں بھی تحریف کرتے رہتے ہیں۔

اسی سلسلۂ کلام میں بطور جملہ معترضہ کے امیین کا بھی ذکر فرمادیا گیا ہے۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں

یہودیوں کے ساتھ یہ بھی انکار و کفر و مخالفت میں یہودیوں کے ہمنوا و شریک کار تھے۔ مگر بحث و مناظرہ کا تعلق ان سے کیا ہوتا۔ ان کے پاس زبانی کٹ حجتی کے سوا تھا ہی کیا۔ یہودیوں سے البتہ بحثیں ہوتی تھیں اور تورات کی باتیں پیش کر کے ان کو قائل کیا جاتا تھا۔ اس لیے یہود مدینہ کی ہٹ دھرمیوں کے سلسلہ ذکر میں فرمایا گیا ہے:

ومنهم امیون لا یعلمون الکتٰب الا امانی وان هم الا یظنون ۰ (۲:۷۸)

یعنی ان منکرین مخالفین کے زمرے میں اُمّیّوْن بھی ہیں۔ مگر وہ کسی آسمانی کتاب کو تو جانتے بھی نہیں بجز (وہمی) ہوا وہوس کے۔ وہ بس صرف (بے بنیاد) باتوں پر چلتے ہیں۔

چونکہ مدینہ طیبہ میں امیین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت تھی اور حوالی مدینہ میں انہی کی اکثریت تھی اس لیے ان کو نظر انداز کس طرح کیا جا سکتا تھا۔ ان کا ذکر بالکل نہ کرنا باوجود ان کے قابل ذکر نہ ہونے کے مناسب نہ تھا۔ بدیں وجہ اثنائے ذکر یہود میں مختصر لفظوں میں اُمّیوں کا ذکر کر کے ان کے قابل ذکر نہ ہونے کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے نہ دوسری قوموں کی کتابوں کا علم رکھتے ہیں نہ ان کو سند سمجھ کر ان کتابوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ صرف وہمی امیدوں اٹکل پچو کچھ اوہام و ظنون ہی پر ان کے دین کا دارومدار ہے جن کو عقلی دلائل سے بھی کوئی مناسبت نہیں تو ان اوہام پرستوں کے متعلق کیا باتیں کی جائیں۔ اور ان کی کوئی سی بات اس قابل ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت سمجھی جائے۔ اس لیے مختصر مگر بلیغ جملے میں اُمّیّوْن کا ذکر فرما کر پھر یہود ہی کے حالات بیان فرمائے گئے۔ اس آیت کریمہ سے امیین کی دینی حیثیت واضح فرما دی گئی کہ ظنون و اوہام کے سوا ان کا دینی سرمایہ کچھ نہ تھا۔ پورے قرآن مجید میں از روئے نحو، باعراب رفع امیون کا لفظ اسی آیت کریمہ میں آیا ہے۔ اس کے سوا تین جگہ باعراب جر امیین کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷، ۱۵۸ دونوں میں یکے بعد دیگرے اور پھر سورۂ جمعہ کی دوسری آیت میں بنوفیقہ تعالیٰ و تبارک۔ ان چاروں آیتوں پر اور لفظ امیین کی معنوی اور قوم امیین کی نسبی و ذہنی حیثیت اور وجہ تسمیہ اور پھر ان کی دینی بے بضاعتی سب پر بحث ہو چکی۔ فالحمد للہ۔

النبی الامی

قرآن مجید میں دو جگہ یہ عظمت مآب مرکب توصیفی آیا ہے۔ ایک ہی سورہ میں ایک ہی سلسلہ کلام

ہیں ایک ہی جگہ پے درپے دو روایتوں میں یعنی سورہ اعراف کی آیت کریمہ ۱۵۷ میں اور آیت کریمہ ۱۵۸ میں وہ دونوں آیۃ کریمہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعض اہم واقعات سے متعلق ہیں اس لیے پوری دونوں آیتوں کا لکھنا بھی کافی نہ ہوگا۔ کم سے کم آیت کریمہ ۱۵۵ سے ۱۵۸ تک لکھ کر ترجمہ ہی نہیں بلکہ پوری تفسیر لکھنی ہوگی اور جن واقعات کا ان آیتوں میں ذکر ہے ان کو وضاحت سے سمجھانا ہوگا۔ جس سے خلط مبحث بھی ہوگا[1] اس وقت تو مجھ کو صرف یہ دکھانا ہے کہ قرآن مجید میں جو دو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو النبی الامی فرمایا گیا ہے۔ وہاں ان آیتوں میں النبی الامی کے کیا معنی ہیں؟ اس لیے سورہ اعراف کی ان دونوں آیتوں میں سے بقدر ضرورت ہی عبارت پیش کرتا ہوں۔ دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت ۱۵۷ کا پہلا جملہ ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰىة والانجیل (اعراف: ۱۵۷)

وہ لوگ جو پیروی کریں گے امی (قوم کے) رسول نبی کی جن (کی نشان دہی) کو وہ توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور پوری آیت ۱۵۸ اس طرح ہے:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا الذی لہ ملك السمٰوٰت والارض ج لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت ص فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون ۝ (اعراف: ۱۵۸)

(اے رسول!) اعلان کردو کہ اے سارے جنّ وانس! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں (وہ اللہ) ساری بلندیوں اور ہر پستی میں جس کی بادشاہی وحکومت ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں

---

[1] یہ طوالت تحریر میری موجودہ حالت میں کہ بستر مرگ پہ پڑا ہوں اور جو کچھ بھی لکھتا ہوں۔ اسی حالت میں لکھتا ہوں۔ چت لیٹا لیٹا تختی میں کاغذ لگا کر بائیں ہاتھ میں تختی دہنے ہاتھ میں فونٹن پن، سینے پر تختی رکھے رات بھر ٹھہر ٹھہر کر دم لے کر، سستا سستا کر لکھتا رہتا ہوں۔ ایسی حالت میں موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق باتیں لکھنا میرے لیے بڑی مصیبت ہے۔

جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو ایمان لاؤ (اس) اللہ پر اور اس کے رسول اُمی (قوم کے) نبی پر جو (خود بھی) اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی امی) کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم (منزل مقصود تک پہنچنے کی) راہ پا جاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں حضورؐ کو النبی الامی فرمایا گیا ہے اور سورہ جمعہ کی دوسری آیت کریمہ میں آپ ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

بعث فی الامیین رسولاً منھم۔ (اللہ تعالیٰ نے امی قوم کے لوگوں میں انھیں سے ایک رسول مبعوث فرمایا)۔

اور حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے دعا فرمائی تھی ام القریٰ میں بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے کہ ہم دونوں کی نسل میں انھیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ اور اسی ام القریٰ میں اپنی نسل کو بسانے کا بھی ذکر حضرت ابراہیمؑ نے دعا ہی میں کیا تھا اور یہ ساری دعائیں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل کے لیے فرمائی تھیں جو حضرت اسمٰعیل کے ذریعے ام القریٰ میں اور اس کے حوالی میں پھیلی۔

حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی مشترکہ دعا جو قبول فرمائی گئی اس کا ذکر اس طرح نہیں فرمایا گیا کہ: ھو الذی بعث فی ذریۃ ابراھیم و اسمعیل رسولا منھم کہ اس میں طوالت بیان الگ ہوتی اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی سکونت کا ذکر فرمایا تھا۔ وہ سکونت مذکور نہ ہوتی۔ اور فی الامیین فرما دیتے ہیں۔ ام القریٰ کی سکونت کا بھی ذکر ہو گیا۔ اور نسلِ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام ہی کی نسل وہاں بسائی گئی۔ دعا بھی اسی نسلِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ ہی کے لیے کی تھی۔ اس لیے الامیین کہنے سے نسل ابراہیم و اسمٰعیل ہونا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی سکونت ام القریٰ بھی اس سے ثابت ہو رہی ہے۔ انھیں امیین میں سے یہ نبی امی مبعوث ہوئے۔ تو اس صفت امیت سے النبی کا اتصاف اور ان کا اسمٰعیل و ابراہیم کی اولاد ہونا بنی اسمٰعیل میں سے ہونا بھی ثابت کر رہا ہے اور ام القریٰ کا ساکن ہونا بھی ثابت کر رہا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں باعثِ شرف اہلِ عرب کے نزدیک اس وقت ضرور تھیں۔

حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں میں غیر بنی اسمٰعیل اور غیر بنی اسرائیل قبائل بھی تھے۔ وہ بنی اسمٰعیل کا بہت احترام کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے سوا عرب کے سارے قبائل

بنی اسمٰعیل امیین کا احترام کرتے تھے۔ ان کی خاندانی عظمت اور خادم و مجاور بیت اللہ ہونے کی وجہ سے عام طور سے سارے غیر اسرائیلی قبائل عرب بنی اسماعیل کو قابلِ احترام مانتے تھے۔ البلد الامین کے آخر یہ رہنے والے تھے ام القریٰ کے ساکن تھے۔ اس لیے ہر طرح کے حملہ آوروں سے محفوظ تھے۔ یہاں تک کہ ان کے تجارتی قافلے بھی ڈاکوؤں کے حملے سے محفوظ رہتے تھے۔ ڈاکو بھی ان امیین کا احترام کرتے تھے۔ اس لیے الرسول النبی کے لفظوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالتِ منصبی کا اظہار فرمایا گیا اور الامی کے لفظ سے آپ کی خاندانی شرافت، اور مولد و مسکن کی عظمت بھی بتادی گئی۔ اتنی واضح بات مذکورہ بالا آیات کے ہوتے ہمارے اسلاف صرف ایک جھوٹی روایت، خلاف عقل روایت پر یقین کر لینے کی وجہ سے سمجھ نہ سکے۔

(باقی آئندہ)

حیاتِ محمدؐ

از محمد حسین ہیکل

ترجمہ : ابو یحییٰ امام خاں

مصر کے نامور ادیب اور محقق محمد حسین ہیکل کی مشہور تصنیف "سیرۃ النبی محمدؐ" کا یہ ترجمہ ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات نہایت مؤثر اور دل نشین انداز میں لکھے گئے ہیں اور ان واقعات کو اجاگر کیا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے بنیادی حقائق اور اس دور کے اہم مسائل سے ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مستشرقین کے ان تمام اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے جو وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر کرتے رہتے ہیں۔

صفحات : ۸ + ۶۵۴ قیمت : ۲۲/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور